رجسٹرڈ ایل نمبر ۲۹۸

THE ALHAKAM, WEEKLY, QADIAN

سلسلہ عالیہ احمدیہ کا سب سے پہلا مشہور و معروف اخبار جسکو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا ایک بازو قرار دیا

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ

الحکم

قادیان

دور جدید

ماہوار ایڈیشن

چہ گویم ہانو گر آئی چہا در قادیاں بینی
دوا بینی شفا بینی غرض دار الاماں بینی

بیا در بزم مستاں تا بہ بینی عالمے دیگر
بہشتے دیگر و ابلیس دیگر آدمے دیگر

سالانہ چندہ
ملکیت اور والیان ریاست سے ۱۰۰ر
امراء اور رؤسا سے ۵۰ر
معاونین سے ۱۰ر
عوام سے ۵ر
ممالک غیر سے ۱۲ر

مدینۃ المسیح
قادیان دار الامان سے ہر انگریزی ماہ کی ۷ر ۱۴ر ۲۱ر ۲۸ر تاریخ کو خدا کے فضل سے شائع ہوتا ہے

قیمت فی پرچہ
۲ر

مدیر اعلیٰ
شیخ یعقوب علی تراب احمدی عرفانی

مدیر مسئول
شیخ محمود احمد عرفانی مجاہد مصری

جلد ۳۹ | ۱۲ ذوالحجہ ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۸ تاریخ فروری ۱۹۳۶ء یوم جمعہ | نمبر ۷، ۸



# حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کے سفر سندھ کی آخری رپورٹ

## کراچی سے لاڑکانہ تک کا سفر

سکھر ۱۷ فروری ـ ۱۸ فروری کی صبح کا وقت حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے بعض موزوں قطعات زمین منتخب کرنے پر صرف فرمایا۔ اور جزیرہ منوڑہ میں بھی تشریف لے گئے۔ جہاں سمندر کی ہوا کھائی۔ وہاں بہت سے غیر احمدی اور غیر مسلم اصحاب نے حضور سے ملاقاتیں کیں۔ حضور بعد دوپہر منگھوپیر کے چشمے دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے۔ اس کے بعد کلفٹن کے مقام سے سمندر کا منظر دیکھا۔ بدھ کی صبح کو حضور مناظر دیکھنے کے لئے ملیر تشریف لے گئے۔ راستہ میں حضور نے ڈرگ روڈ پر ہوائی مستقر کا بھی ملاحظہ فرمایا۔ اسی روز شام کو مسٹر طیب جی صاحب بیرسٹر نے جو سر اکبر حیدری کے داماد ہیں۔ حضور کے اعزاز میں اپنے مکان پر دعوت چائے دی اور بہت سے مقامی معززین کو بھی مدعو کیا۔ میزبان کی درخواست پر حضور نے ایک نہایت مؤثر تقریر فرمائی جس میں آپ نے اس بات پر زور دیا کہ ہمیں چاہئیے۔ ہم ان صفات الہیہ کا جو قرآن کریم میں بیان کی گئی ہیں۔ مطالعہ کریں۔ اور ان صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ شام کو حضور نے احمدی اور غیر احمدی خواتین کے ایک مجمع میں تقریر فرمائی۔ جس میں نمازوں میں باقاعدگی پیدا کرنے دوسرے مذہبی فرائض کو کما حقہ بجا لانے اور بچوں کی تربیت کی طرف خاص توجہ دینے پر زور دیا۔ سات مستورات نے بیعت کی۔

جمعرات کی صبح حضور مع خدام کراچی سے لاڑکانہ کے لئے روانہ ہوئے۔ دوپہر کو ٹرین کوٹری پہنچی۔ جہاں خان صاحب نعمت اللہ خاں صاحب نے کھانے کا انتظام کر رکھا تھا۔ جو ٹرین میں پیش کیا گیا۔ سیوہن سٹیشن پر ڈاکٹر عبد العزیز صاحب اخوند نے چائے اور مٹھائی پیش کی۔ کوٹری اور باڈہ سٹیشن کے درمیان متعدد سٹیشنوں پر مقامی اور گرد و نواح کے دیہات کے احباب حضور کی زیارت کے لئے آئے ہوئے تھے۔

۸ بجے شام حضور باڈہ گاڑی سے اترے جہاں تین سو کے قریب احمدی و غیر احمدی احباب نے حضور کا استقبال کیا۔ مقامی جماعت نے ایڈریس پیش کیا جس کا حضور نے جواب دیا۔ اور سندھ کے احمدی طلبا کو تعلیمی امداد دینے کا وعدہ فرمایا۔ حضور نے حاضرین کو اس بات کی تلقین کی۔ کہ وہ احمدیت کا ایک بلند پایہ نمونہ بنیں۔ تاکہ ارد گرد کے غیر احمدی لوگ بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم قبول کرنے کی سعادت حاصل کریں۔ باڈہ میں خدا تعالیٰ کے فضل سے سندھی احمدیوں کی ایک بہت بڑی تعداد آباد ہے۔

باڈہ سے ۹ بجے شب کار پر حضور لاڑکانہ پہنچے۔ جہاں خان صاحب نیاز محمد خاں صاحب ہوم انسپکٹر پولیس کے زیر اہتمام مقامی معززین نے جن میں خان بہادر محمد ایوب خاں صاحب کھوڑو ایم۔ ایل۔ سی۔ مسٹر غلام عباس صاحب قادری ایڈیٹر الحقیقت۔ مسٹر عبد الوحید خاں صاحب سٹیشن ماسٹر۔ مسٹر اللہ بخش خاں صاحب انسپکٹر پولیس۔ مسٹر ایم۔ آئی۔ ادیل پرنسپل سندھ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حضور کا استقبال کیا۔ ان میں سے بعض اصحاب نے اس دعوت میں جو خان صاحب نیاز محمد صاحب کی طرف سے حضور کے اعزاز میں دی گئی۔ شرکت کی۔ نماز جمعہ کے بعد حضور لاڑکانہ سے روانہ ہوئے۔ متعدد مقامی معززین جمعہ کی صبح کو حضور کی زیارت کے لئے آئے۔ گذشتہ تین چار روز کی شدت کام اور متواتر سفر کے باعث حضور کی طبیعت ناساز ہے۔

(الفضل)

# سرپرستان و خریداران الحکم سے خطاب



برادران! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ میں سے کسی دوست کو غالباً یہ ماننے میں انکار نہ ہوگا۔ کہ اخبار الحکم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظات۔ ڈائریاں۔ مکتوبات خطبات کلمات طیبات جمع کرنے میں جو گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ وہ کوئی معمولی چیز نہیں۔ یہی وہ چیز ہے جس کی نسبت حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ نے اپنے ایک مکتوب گرامی میں لکھا تھا۔

مکرمی شیخ صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مجھے یہ معلوم کر کے بے حد خوشی ہوئی ہے۔ کہ آپ پھر الحکم کو جاری کرنے لگے ہیں۔ اللہ تعالیٰ برکت دے۔ اور اس ارادے کی تکمیل کے سامان پیدا کر دے۔ آمین ثم آمین!

الحکم سلسلہ کا سب سے پہلا اخبار ہے۔ اور جو خدمت کا موقعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آخری زمانہ میں اسے اور "بدر" کو ملا ہے وہ کروڑوں روپیہ صرف کر کے بھی کسی اخبار کو نہیں مل سکتا۔

میں کہتا ہوں کہ الحکم ظاہری صورت میں زندہ رہے یا نہ رہے۔ لیکن اس کا نام ہمیشہ کے لئے زندہ ہے۔ سلسلہ کا کوئی مہتم بالشان کام اس کا ذکر کئے بغیر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ تاریخ سلسلہ کا حامل ہے لیکن میرا دل یہی چاہتا ہے۔ کہ الحکم جس کا نام ہی۔ بتا رہا ہے۔ کہ ابتدائی ایام سے سلسلہ کے افراد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کیا درجہ سمجھتے تھے۔ اپنی ظاہری صورت میں بھی زندہ رہے۔ اللہ تعالےٰ آپ کو اور آپ کی نسل کو اس خدمت کی توفیق دیتا رہے۔ اللّٰھم آمین!

(دستخط مبارک حضرت امیر المومنینؓ)

اس سے بڑھ کر الحکم کے لئے باعث افتخار کیا ہوگا۔ کہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ نے بذاتِ خود ان خدمات کا اعتراف فرمایا۔

اس کے بعد میں نہیں خیال کر سکتا۔ کہ کوئی مخلص احمدی ایسا ہو۔ جو یہ کہہ کر گزر جائے کہ اخبار الحکم کی کوئی خدمت ایسی نہیں جس پر قوم کو توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ پھر ایک ایسے اخبار کے متعلق احباب کی اس قسم کی سرد مہری۔ کہ اس کی قیمتوں کی ادائیگی ہرگز نہ کیا قابل افسوس نہیں؟

میں نے ایک دفعہ جبکہ الحکم کی موجودہ مالی کمزوری اور احباب کی عدم توجگی کا تذکرہ اخبار میں شائع کیا۔ تو آریہ اخبارات نے اس پر جماعت کی بے توجگی کا ذکر کر کے ہنسی اڑائی تھی۔ اگرچہ میں کبھی اس قسم کے دشمنوں کی باتوں کی پرواہ نہیں کرتا۔ لیکن یہ ایک حقیقت الامر ہے۔ کہ ہماری غفلتیں بھی بعض اوقات دشمنوں کے لئے ایک ہنسی کا موقعہ پیدا کر دیتی ہیں۔ میں ایک زندہ جماعت سے ہی توقع رکھتا ہوں۔ کہ وہ اپنے پریس کو مضبوط کرے گی اور کسی دشمن کو ہنسی کا موقع نہیں دے گی۔ اخبار الحکم کی حالت ابھی ایسی نہیں ہے۔ کہ وہ بیرونی آمد پر یا ... ہو ... خرچ کرتا چلا جائے۔ اخبار کا نکلنا اور وقت پر شائع ہونا اس کی آمدنی پر منحصر ہے۔ جو خریداران کی توجہ ہی سے ہو سکتی ہے۔ مگر ابھی تک ۱۹۳۴ء ۱۹۳۵ء کے بقائے بھی موجود ہیں۔ چہ جائیکہ ۱۹۳۶ء کی قیمتیں وصول ہوں۔

اب جبکہ ۱۹۳۶ء یا ۱۹۳۴ء اور ۱۹۳۵ء کے وی۔ پی بھیجے جاتے ہیں۔ تو اکثر احباب امانت میں رکھ کر واپس کر دیتے ہیں۔ اور بعض فوراً ہی مکتوب الیہ لینے سے انکاری ہے۔ لکھ کر واپس کر دیتے ہیں۔ سال بھر اخبار لینے کے بعد جو لوگ ایسا طریق اختیار کرتے ہیں۔ وہ اگرچہ بالارادہ اخبار کو نقصان نہ پہنچاتے ہوں۔ مگر وہ نقصان پہنچاتے ہیں۔ اور اس طرح ایک معقول رقم سالانہ وی پیوں کی واپسی کی وجہ سے ضائع ہو جاتی ہے۔ اور جب روپیہ ہی نہ ہوگا تو اخبار کی باقاعدگی اور عمدگی کیسے ہو سکتی ہے؟

میں آج اس مکتوب کے ذریعے احباب کو توجہ دلاتا ہوں۔ کہ وہ الحکم کے حقوق کی طرف پوری توجہ کریں اور اس کے بقائے صاف کر دیں۔ تاکہ الحکم عمدگی اور باقاعدگی سے جاری رہ سکے۔ ۱۹۳۶ء کے لئے جو احباب چاہتے ہیں۔ کہ ان کے نام وی۔ پی نہ ہوں۔ وہ اپنی قیمت بذریعہ منی آرڈر دفتر کو بھیجدیں۔ ورنہ ہر ایک دوست کو قیمت کی ادائیگی کے لئے وی پی کے وصول کرنے کیلئے تیار رہنا چاہیئے۔

اور ۱۹۳۴ء و ۱۹۳۵ء کے بقائے جن احباب کے نام ہیں۔ وہ مہربانی فرما کر اب مزید تاخیر نہ کریں۔ اور بقائے بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما دیں۔ ورنہ میں ان کے نام بلا استثناء وی۔ پی کرنے کے لئے مجبور ہوں گا اور جو احباب اخبار الحکم کو خریدنا پسند نہ کریں یا اس کی قیمت کی ادائیگی کی توفیق نہ رکھتے ہوں۔ وہ بے شک اطلاع دیکر اخبار بند کرالیں۔ مگر اخبار کو نقصان نہ دیں۔

جو احباب الحکم کی گذشتہ اور موجودہ خدمات کی قدر کرتے ہیں ان سے میری درخواست ہے۔ کہ وہ الحکم کو جدید خریدار دیکر الحکم کی اس کمی کو جو اب لاحق ہو رہی ہے پورا فرما کر میری مدد کریں۔ میں جانتا ہوں کہ ایسے لوگ موجود ہیں۔ جو الحکم کے ہمیشہ قدردان رہے ہیں۔ اور اب بھی وہ موجودہ خدمت کو جو سیرت طیبہ کے جمع کرنے میں الحکم سرانجام دے رہا ہے۔ قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ پس میں ان سے درخواست کرتا ہوں۔ کہ وہ توجہ کریں۔ کیونکہ الحکم ان کی توجہ کا منتظر ہے۔

## بیرونی ممالک کے خریدار

اسی سلسلہ میں میں نے متعدد مرتبہ اعلان کیا ہے۔ کہ بیرونی ممالک کے خریداروں میں سے اکثر ایسے ہیں۔ جن کے ذمہ الحکم کی قیمت ۱۹۳۴ء و ۱۹۳۵ء باقی ہے۔ اور ۱۹۳۶ء شروع ہو رہا ہے۔ میں اگلے نمبر میں ان کا نمبر خریداری اور حساب الحکم میں شائع کر دونگا۔ میں ان سب سے توقع کرتا ہوں۔ کہ وہ فوراً اپنی قیمتیں ادا کر کے مجھے شکریہ کا موقع دینگے۔ اور اگر اب بھی انہوں نے کوتاہی کی تو وہ سب کے سب الحکم کو نقصان پہنچانے والوں میں شمار ہونگے۔

مگر مجھے یہ یقین ہے۔ کہ سب دوست اپنے حسابات صاف کر کے الحکم کو اس پر خطر وادی سے نکال دینگے۔ والسلام۔

(خاکسار محمود احمد عرفانی ایڈیٹر الحکم)

## دُعا

منزلِ مہ سے بھی آگے مجھے دور دیا جو مستقر
میں ہوں شکستہ بال و پر تو ہی دے بال و پر مجھے
دشتِ حیات میں کوئی بانگ درا نہ ہم سفر
عقل تو خود ہے کم نظر اور دے راہبر مجھے
آتشِ لالہ بے فروغ داغ فسردہ ہے مگر
ایسا نہ دے مجھے جگر سینہ میں شرر مجھے
جادۂ قیدِ بند پر کوکب و ماہ کا سفر
کہکشاں سے بلند تر دے کہیں رہگذر مجھے
"پیر حرم" کے مکر سے راہِ نجات پُر خطر
نالہ درد کو اثر دے دلِ با خبر مجھے
خونِ جگر بنے عقیق اشکِ چکیدہ ہو گہر
کچھ تو فغاں کا ہو اثر کچھ تو ملے ثمر مجھے
برسے مثالِ خشک لب تجربے خلِ چشم تر
یہ جہاں اتنا مختصر! اور ... دے بحر و بر مجھے

شبنم سرحدی بی ۔ اے

## ۷ مارچ کو ظاہر ہونے والے عظیم الشان نشان کے متعلق جلسہ

قادیان ۷ مارچ آج بعد نماز عصر مسجد نور میں زیر صدارت مولانا عبدالرحیم صاحب نیرؔ ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں اسلام کی صداقت کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ ظاہر ہونے والے اس عظیم الشان نشان کی یاد تازہ کی گئی۔ جو اسی تاریخ پنڈت لیکھرام کی نسبت وقوع پذیر ہوا۔ مولانا نیرؔ اور مولانا ابو العطاء اللہ دتا صاحب جالندھری نے دلچسپ اور ایمان افروز تقریریں کیں۔ بعض دیگر صاحبان بھی جلسہ میں موجود تھے۔ (الفضل)

# سیرت المہدی کا ایک ورق

## حضرت مولانا مولوی غلام رسول صاحب راجیکی کی روایات

### ۳

منشی احمد الدین صاحب جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پرانے صحابہ میں سے تھے۔ اور پہلے گوجرانوالہ شہر میں اپیل نویسی کا کام کیا کرتے تھے۔ اور بعد میں کچھ حضرت نواب محمد علی صاحب مالیر کوٹلہ کی خدمات کو انجام دینے کے لئے ایک مدت دراز تک ان کی خدمت میں رہے۔ اور ایک سال کے قریب کا عرصہ ہوا کہ وہ لودہانہ میں وفات پا گئے۔ انہوں نے ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے ایک واقعہ بیان کیا۔ کہ گوجرانوالہ میں وکلاء میں سے ایک وکیل میرے دوست جن کو شراب نوشی کی بہت سخت عادت تھی۔ جو باوجود طرح طرح کی پند و نصیحت کے شراب نوشی کو ترک نہ کر سکے۔ اور کئی دفعہ ناصحین کو نصائح کرنے سے روکا کہ آپ کا مجھے نصیحت کرنا عبث اور بے فائدہ ہے۔ اس لئے کہ شراب نوشی کی عادت مجھ میں اس قدر راسخ ہو چکی ہے۔ کہ یہ اب مجھ سے چھوٹ نہیں سکتی۔ اس پر میں نے اس شراب خوار دوست کو قادیان آتے ہوئے بہت بڑی توجہ دلائی اور مجبور کیا۔ کہ آپ میرے ساتھ قادیان چلیں اور حضرت مرزا صاحب کی زیارت کر آئیں۔ شاید آپ کو ان کی زیارت سے کسی طرح کا کچھ فائدہ ہو سکے اور آپ کی طبیعت رُو باصلاح ہو جائے۔ کیونکہ اہل اللہ کی نظر عنایت نہایت ہی اپنے اندر بابرکت اثر رکھتی ہے۔ چنانچہ میرے بار بار کہنے سے وہ میرے ساتھ قادیان آنے کے لئے تیار ہو گئے۔ ان دنوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام زلزلہ کی وجہ سے بطور احتیاط مع صحابہ کرام کے اور اپنے اہل و عیال کے اپنے باغ میں قیام فرما تھے۔ غالباً ۱۹۰۵ء کا سال تھا۔ حضرت مولانا مولوی حکیم نور الدین صاحبؓ جو روز درس قرآن فرمایا کرتے تھے۔ ان دنوں وہ بھی درس قرآن باغ میں ہی فرمایا کرتے تھے۔ جب ہم قادیان میں پہنچے اور درس کے موقع پر حضرت مولوی صاحبؓ سے ملاقات کی تو میں نے چپکے سے حضرت مولوی صاحبؓ کی خدمت میں اپنے دوست کی شراب نوشی کا قصہ سب کچھ بیان کر دیا کہ میرے اس دوست کو شراب نوشی کی بہت سخت عادت ہے۔ چنانچہ مجھے معلوم ہوا ہے۔ کہ وہ میرے ساتھ آتے ہوئے بھی کئی بوتلیں شراب کی اپنی عادت کی مجبوری کی وجہ سے اپنے ساتھ لایا ہے اس لئے آنجناب شراب کے متعلق ایسا نفرت دلانے والا مضمون کھول کر بیان فرما دیں کہ جس سے میرا دوست متاثر ہو کر شراب نوشی کی عادت کو ترک کر دے۔ میری اس توجہ دلانے سے حضرت مولوی صاحبؓ کی اس دن کے درس میں جو آیت يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ پر ہی تھا۔ شراب کی مذمت اور اس کے نقصانات اور مضرات اس وضاحت سے بیان فرمائے کہ جس سے زیادہ میرے تصور میں نہیں آ سکتا۔ کہ اس سے زیادہ بھی شراب کی مضرات بیان کئے جا سکتے ہیں۔ حضرت مولوی صاحبؓ نے شراب کی مضرات بیان فرماتے ہوئے اس کے کئی پہلو جسمانی صحت کے خلاف ذکر فرماتے اور کئی پہلو احساس فطرت کے لحاظ سے۔ اور کئی پہلو غیرت اور شرافت کے خلاف ہونے کے لحاظ سے۔ اور کئی پہلو تقویٰ اور روحانیت کے لحاظ سے۔ چنانچہ اس مضمون کو اس وسعت کے ساتھ بیان فرمایا۔ کہ درس کے لئے جو روزانہ معمولی وقت تھا۔ اس سے کئی گنا بڑھ کر آپ نے غیر معمولی طور پر وقت کو صرف فرمایا اور عجیب عجیب علمی اور عقلی طور پر شراب کی مذمت اور قباحت بیان فرمائی کہ جس کے بعد میں نے اس درس کو سنکر دل میں یہ سمجھ لیا کہ اس تقریر اور اس درس کے بعد اب کوئی مے خوار اور شراب نوشی کرنے والا کتنا ہی شراب نوشی کی اپنے اندر راسخ عادت رکھتا ہو اس تقریر کے بعد ممکن نہیں کہ وہ باز نہ آ جائے۔ اور اسکو بھی توبہ نصیب نہ ہو۔ اور وہ سچے دل سے شراب سے متنفر نہ ہو جائے۔ چنانچہ میں اسی امید کی بنا پر اپنے دوست سے ملا۔ اور میں نے اس سے کہا کہ سناؤ دوست! حضرت مولوی صاحبؓ کے اس درس اور اس تقریر کے بعد آپ کا کیا حال ہے؟ تب وہ کہنے لگا کہ مجھے یہ سمجھ میں آیا ہے۔ کہ دنیا میں علم قرآن کا ماہر اور فلاسفر اور حکمت کا بے نظیر اگر دنیا کے پردہ میں پایا جاتا ہے تو وہ جناب علامہ نور الدینؓ ہیں۔

میں نے پوچھا ایسے علامہ کی تقریر ... جس کی بے نظیر شان علم کو تسلیم کرتے ہو شراب نوشی کے لحاظ سے تمہارے دل پر کیا اثر پڑا۔ تب اس نے کہا کہ میں نے اپنے دل سے اور اپنی طبیعت سے بار بار اس سوال کو پیش کر کے دریافت کیا ہے۔ کہ کیا وہ شراب نوشی کو ترک کرنے پر تیار ہے۔ پر مجھے ہر بار حضرت مولوی صاحبؓ کے علم و فضل کے اقرار کے ساتھ مجبوری کی عادت ترک کرنے کے لحاظ سے اپنے دل سے انکار میں ہی جواب ملا۔ خلاصہ یہ کہ میری طبیعت شراب کو ترک کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اور بالکل تیار نہیں ہوتی۔ دوست کے اس جواب سے مجھے بہت ہی بڑی تکلیف ... رنج محسوس ہوا۔ دوسرا دن ہوا تو اس نے واپس جانے کے لئے ارادہ ظاہر کیا۔ میں نے اسے کہا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملاقات کر لیں پھر چلیں گے اور اکٹھے چلیں گے۔ اس نے کہا اچھا حضرت مرزا صاحب کی ملاقات کر لیتے ہیں۔ تب میں اس دوست کو لیکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خیمہ کے پاس جہاں آپ کا خیمہ تھا لے گیا۔ اس وقت حضرت اقدس خیمہ کے اندر تھے۔ اطلاع کرنے پر حضور تشریف لے آئے حضور سے ہم نے مصافحہ کیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ آؤ بیٹھ جاؤ۔ تب ہم حضور کے ارشاد پر بیٹھے۔ میں نے اس دوست کے متعلق اس بارہ میں کہ یہ شخص شراب پیتا ہے۔ اور شراب نوشی کی عادت اس کے اندر راسخ ہو گئی ہے۔ کچھ بھی ذکر نہ کیا۔ لیکن حضرت اقدس نے بیٹھنے کے ساتھ ہی علی سبیل تذکرہ ایک عجیب حکایت سنائی اور فرمایا۔ کہ

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت کو ایسا بنایا ہے۔ کہ اگر شیطانی وساوس اور تحریکات کے پیچھے وہ گناہوں سے ملوث بھی ہو جائے تب بھی انسان اپنے عزم صمیم اور ارادہ کی پختگی سے گناہوں کی عادت پر غالب آ جاتا ہے۔ جیسا کہ پانی آگ کے ذریعہ کتنا ہی گرم ہو جائے۔ یہاں تک کہ گرم پانی بدن پر پڑنے سے آگ کی طرح جسم کو جلا کر آبلے ابلے کر دے اس وقت بھی اس گرم پانی کو جب آگ کے شعلوں پر ڈالا جائے تو وہ آگ بجھا دیتا ہے پھر آپ نے ایک بادشاہ کا ذکر فرمایا۔ کہ

اسکو مٹی کھانے کی عادت تھی۔ جب ایک عرصہ تک مٹی کھانے سے بیمار ہو گیا۔ اور اس کا پیٹ بہت بڑھ گیا۔ اور چہرے اور جسم کا رنگ بالکل زرد اور سیاہ ہو گیا اور معدہ اور جگر وغیرہ اعضاء بیمار اور بیکار ہو گئے تب اس نے سخت محسوس کیا۔ کہ میں نے مٹی کو کھایا۔ لیکن مٹی مجھے کھا گئی۔ اور میری صحت بالکل خراب ہو گئی۔ تب اس نے بڑے بڑے اطباء حاذقین کو علاج کے لئے طلب کیا۔ اور ان سے کہا۔ کہ چونکہ مٹی کھانے کی عادت میری طبیعت میں ... راسخ ہو چکی ہے یہاں تک کہ اب ... کا ... ترک کرنا مشکل ہے۔ اس لئے میرا اس طرح سے علاج کرو کہ دوائی ایسی ہو کہ اس کے کھانے سے مجھے خود بخود مٹی کی نفرت ہو جائے۔ اس پر معالجین نے معالجہ اور دوا شروع کر دیا۔ اور ایک عرصہ تک مسلسل علاج کرتے رہے۔ لیکن کسی دوائی کے کھانے سے بھی اس کی طبیعت ......... خود بخود مٹی کھانے سے نفرت پیدا نہ کر سکی۔ ایک دن کوئی سیاح فقیر وہاں آ نکلا اور جہاں اطباء کی مجلس تھی وہاں پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ بادشاہ کو مٹی کھانے کی عادت ہے۔ کہ جس سے وہ سخت بیمار اور کمزور ہو چکا ہے۔ اور یہ لوگ اس کے معالج ہیں۔ لیکن ابھی تک بادشاہ کو صحت نہیں ہوئی۔ اور نہ ہی مٹی کو اس نے ترک کیا ہے۔ جب اس سیاح فقیر نے ڈاکٹروں اور طبیبوں کو ایک لمبے سلسلہ میں بھی ناکام پایا اور پریشان دیکھا تو وہ سیاح فقیر بولا کہ بادشاہ کی مٹی چھڑانی کوئی مشکل کام نہیں۔ میں ایک منٹ میں بادشاہ کی مٹی چھڑا سکتا ہوں۔ اس کا کہنا ہی تھا۔ کہ بات بجلی کی طرح سارے شہر میں اور شہر کے محلوں میں اور خطہ جات میں گھر گھر میں پھیل گئی۔ یہاں تک کہ بادشاہ۔ بادشاہ کے وزراء تک

تک بھی یہ خبر جا پہنچی۔ صبح بادشاہ جب دربار میں تشریف لائے تو آپ نے اس افواہ کا ذکر کیا۔ اور اپنے وزراء سے پوچھا کہ کیا یہ خبر تمہارے کانوں تک بھی پہنچی ہے۔ کہ کسی سیاح فقیر نے کہا ہے۔ کہ میں بادشاہ کی لت ایک منٹ میں چھڑا سکتا ہوں۔ سب نے کہا کہ یہ خبر ہم تک بھی پہنچی ہے۔ تب بادشاہ نے کہا۔ کہ اس فقیر کو بلاکر حاضر کرنا چاہیئے۔

چنانچہ اسے بلاکر برسر دربار لاکر حاضر کیا گیا۔ اسے بادشاہ نے پوچھا۔ کہ تم نے ایسی ایسی بات منہ سے کہی ہے۔ تب وہ سیاح فقیر بولا۔ کہ ہاں میں نے کہی ہے۔ اور میں اب بھی کہتا ہوں۔ اور پُرزور الفاظ سے کہتا ہوں کہ ایک منٹ کے اندر اندر میں چھڑا سکتا ہوں۔ اب آپ فرمائیے کہ آپ اپنا علاج خلوت میں کرانا چاہتے ہیں یا جلوت میں۔ جیسے مرضی ہو مجھ سے فرمائیں۔ بادشاہ نے اس کی جرأت اور جسارت کو دیکھ کر تعجب کیا اور دل میں سوچا۔ کہ معلوم نہیں کہ اس نے کس طرح سے علاج کرنا ہے۔ ممکن ہے کہ ایسے طریق سے علاج ہو کہ طبیعت کو ناگوار معلوم ہو اس لئے بادشاہ نے برسر دربار جلوت میں علاج کرانے سے انکار کیا اور فرمایا کہ علاج خلوت میں ہو جانا چاہیئے۔ تب اس سیاح فقیر نے کہا خلوت میں حاضر ہونے کے لئے جگہ اور وقت کا فیصلہ ہو جانا چاہیئے۔ چنانچہ جگہ اور وقت سے اطلاع دی گئی۔ اور بادشاہ اور فقیر دونوں فیصلہ کے مطابق مقررہ جگہ پر پہنچ گئے۔ فقیر نے جاتے ہی بادشاہ کو مخاطب کرکے عربی زبان میں کہا۔ "اُترکِ الحکومت"۔ یعنی بادشاہی کو ترک کر دو۔

بادشاہ نے سبب پوچھا۔ تو فقیر نے جواب دیا کہ بادشاہوں کو بادشاہوں سے مقابلے پڑتے ہیں اور مقابلے کے وقت تیر و تفنگ اور تلواروں اور بندوقوں کے سامنے جانا پڑتا ہے۔ جب آپ بادشاہ ہوکر ایک عاجز مٹی جو لوگوں کے پاؤں کے نیچے روندی جاتی ہے اس پر غالب نہیں آسکتے تو بادشاہوں کی [illegible] شمشیروں [illegible] برچھیوں اور تیروں کا مقابلہ کس طاقت کے بھروسہ پر کر سکو گے۔ اور اگر آپ بادشاہ ہیں تو شاہانہ عزم سے کیوں کام نہیں کیا جاتا۔ اور اگر آپ بادشاہ ہیں "فاین عزم الملوک"۔ یعنی بادشاہ ہیں تو شاہانہ عزم کہاں ہے۔ تب بادشاہ نے بوجہ غیرت اور عزم صمیم کے ساتھ فرمایا۔ "واللّٰہ لا اکل الطین بعدہٗ ابداً"۔ یعنی خدا کی قسم میں اس کے بعد کبھی بھی مٹی نہیں کھاؤنگا۔ تب فقیر نے تبسم فرماتے ہوئے کہا۔ کہ بس علاج تو آپ کے اندر موجود تھا۔ علاج کے لئے صرف ہمت اور عزم صمیم کی ضرورت تھی۔

حضرت مسیح موعودؑ اس چند منٹ کی صحبت میں جب یہ ذکر فرما چکے اور کلام مبارک ختم کیا۔ تب میرا دوست جو شراب نوشی اور میخواری میں سخت مبتلا تھا فوراً عرض کرنے لگا۔ کہ حضور میری توبہ میں آئندہ کبھی خراب نہیں ہونگا۔ تب میں حضرت صاحب کی اس موثر کلام کی معجز نما تاثیر کو دیکھ کر ششدر اور حیران رہ گیا۔ اس وقت مجھے معلوم ہو گیا۔ کہ ایک نبی اور غیر نبی اور حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کے کلام میں کیا فرق پایا جاتا ہے۔

(۲)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عام عادت تھی۔ کہ آپ صبح کو باہر قادیان کے گرد و نواح میں کسی نہ کسی طرف سیر کے لئے تشریف لے جاتے۔ اور سیر کے وقت حضرت مسیح موعودؑ کے صحابہ بھی اکثر آپ کی معیت میں ہوتے۔ اور کبھی کبھی وہ احباب جو باہر سے آتے ان کو بھی موقعہ مل جاتا۔ اور وہ بھی ساتھ شریک ہو جاتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بظاہر چلنے میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بالکل معمولی سی رفتار چل رہے ہیں۔ اور گو رفتار میں ایک نہایت متانت اور سنجیدگی کے ساتھ حسن خرامش کی شان نظر آتی تھی۔ لیکن ساتھ چلنے والوں کا یہ حال ہوتا۔ کہ وہ پیچھے رہ جاتے۔ اور ان کو دوڑ کر ساتھ ملنا پڑتا۔ چنانچہ مجھے بھی اس معیت اور شراکت کی سعادت کا بار ہا کہ بیسیوں دفعہ موقعہ ملتا رہا۔ ایک دفعہ جس راستے پر حضرت اقدس بمع احباب جا رہے تھے اس میں کنار صحرائی کے خاردار بہت خورد بوده بھی پائے گئے۔ جس کی وجہ سے راستہ اس موقعہ پر کئی شاخوں میں بٹا ہوا تھا۔ ان خاردار پودوں سے بچنے کے لئے احباب کچھ کسی شاخ پر ہو گئے اور کچھ کسی پر۔ حضرت اقدس جس شاخ پر سے گزرنے لگے میں بھی اس شاخ پر حضرت اقدس کے بالکل قریب آپ کی معیت میں آپ کے پیچھے تھا۔ اور اس وقت میں نے ململ کے کپڑے کی قمیص پہنی ہوئی تھی۔ راستہ میں وہ خاردار پودہ جب سامنے آیا تو میں اس سے بچنے کے لئے جست کرکے دوسری طرف ہونے لگا۔ تو حضرت اقدس چلتے چلتے دفعتہً کھڑے ہو گئے۔ آپ کے کھڑے ہونے سے میرا اس جست میں ایک خاردار پودے سے تصادم ہو گیا۔ چنانچہ ایک طرف ایک سخت کانٹا میرے دائیں پاؤں کے اوپر کے حصہ خنصر اور بنصر کے محاذ میں اوپر کی طرف ایسا لگا کہ اس سے ایک لمبا اور گہرا زخم ہو گیا۔ اور خون نکل آیا اور ایک طرف حضرت اقدس کی چھڑی جو ہاتھ میں تھی۔ اس کا اوپر کا حصہ جو خمدار تھا۔ وہ میری قمیص سے آر پار نکل گیا۔ اور میری قمیص پھٹ گئی۔ حضرت اقدس [illegible] اور آپ میری طرف دیکھنے لگے۔ اور آپ کے دیکھنے سے مجھے بہت ہی بڑی شرم محسوس ہوئی۔ اس خیال سے کہ حضرت اقدس کی چھڑی کے تصادم سے آپ کیا خیال فرماتے ہونگے۔ لیکن اس قمیص کا پھٹنا اور پاؤں پر وہ لمبا زخم جس کا اب تک میرے پاؤں پر نشان پایا جاتا ہے۔ اس وجہ سے اس واقعہ کو یاد کرکے ایک عجیب لذت محسوس ہوتی ہے۔ اس کے بعد میں نے اس قمیص کو اُتار کر گھر میں جا رکھا۔ محض اس لئے کہ اس میں پھٹا ہوا حصہ حضرت اقدس کی ایک یادگار میرے پاس موجود رہیگی۔ ایسا ہی پاؤں کے زخم کا نشان جا بتک پایا جاتا ہے۔ اسکو دیکھ کر بھی حضرت اقدس کا زمانہ اور وہ واقعہ آنکھوں کے سامنے آکر ایک عجیب لذت بخشتا ہے۔

(۳)

میرے ایک چچازاد بھائی تھے۔ ان کا نام میاں غلام حیدر صاحب تھا۔ وہ بہت بڑے مخلص نوجوان آدمی تھے۔ وہ میرے شاگرد بھی تھے۔ کچھ عربی و فارسی بھی مجھ سے پڑھی تھی میری صحبت میں اور میرے تبلیغ کرنے سے ان کو احمدیت بھی نصیب ہوئی۔ میں نے ان کو ایک دفعہ کہا کہ قادیان میں چلکر ایک دفعہ حضرت مرزا صاحب کو تو دیکھ آؤ۔ کیونکہ دیکھنے اور سننے میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ قادیان میں میرے ساتھ آگئے۔ ہم شام کو قادیان پہنچے صبح حضرت مسیح موعود حسب دستور سیر کو تشریف لے گئے علاوہ اور احباب کے ہم دونوں آپؑ کی معیت میں آپ کے ساتھ سیر کو گئے۔ واپسی پر جب حضرت مسیح موعودؑ چھوٹی مسجد کی اندرونی سیڑھیوں کے راستہ جو اس وقت یہی راستہ تھا گھر میں تشریف لے جانے لگے۔ اور ابھی آپ نے پہلی سیڑھی پر ہی قدم رکھا تھا کہ میں نے میاں غلام حیدر صاحب موصوف کی طرف توجہ دلاکر حضرت اقدس سے عرض کیا۔ کہ حضور یہ میرے چچازاد بھائی ہیں۔ حضور کی زیارت کے لئے میں انہیں ساتھ لایا ہوں۔ تب حضرت اقدس میاں صاحب موصوف کی طرف متوجہ ہوئے اور پہلے ہی فقرہ میں حضور نے ان کو مخاطب کرکے فرمایا۔ کہ آپ کا اسم شریف؟ تو انہوں نے کہا میرا نام غلام حیدر ہے۔ پھر پھر آپ نے نہایت ہی نوازش اور شفقت سے کچھ دن ٹھیرنے کے لئے فرمایا۔ اور یہ حضور کی عام عادت تھی کہ آپ مہمانوں کو جانے کے وقت فرمایا کرتے کہ آپ ابھی اور ٹھیریں۔ دنیا کے دوسرے پیر تو شاید مریدوں کی جدائی پر خوش ہوتے ہونگے۔ لیکن حضور کی یہ عادت تھی کہ مہمانوں اور دوستوں کی جدائی آپ کو گراں معلوم ہوتی۔ پھر حضور نے میرے بھائی سے مصافحہ فرماکر چند فقرات شفقت سے بھرے ہوئے مخاطب کرتے ہوئے فرمائے۔ اور پھر تشریف لے گئے۔ بھائی صاحب غلام حیدر نے رقت قلب کے ساتھ اور چشم پر آب ہوکر مجھ سے کہا کہ حضرت صاحب کو دیکھ کر دل اور طبیعت زور کے ساتھ اس بات کی شہادت دیتی ہے۔ کہ یہ منہ جھوٹوں کا نہیں ہو سکتا۔ آپ بالکل صادق اور بے نظیر پارسا اور بے نظیر اللہ تعالیٰ کے بزرگ ہیں۔ اور اس بات کا بھائی صاحب کے دل پر بہت بڑا اثر ہوا۔ کہ حضرت اقدس نے ان کو کئی دفعہ آپ آپ کے لفظ سے مخاطب فرمایا۔

چنانچہ بھائی صاحب نے کئی دفعہ ذکر کیا کہ خطاب کے ساتھ مخاطب فرماتے ہم نے معمولی پیروں اور فقیروں کو دیکھا ہے کہ وہ کسی کو ادب اور عزت کے الفاظ سے مخاطب کرنے سے اپنی ہتک سمجھتے ہیں۔ لیکن حضرت صاحب کی یہ شان کہ آپ باوجود اس کے کہ آپ بزرگ ہیں اور مسیح اور مہدی کی شان رکھنے والے جس شان کے مقابل ہم جیسوں کی ہستیاں بالکل حقیر ہی ہیں۔ لیکن آپ کے اخلاق حسنہ کی یہ شان ہے کہ آپ ہم جیسی حقیر ہستیوں کو بھی پر عزت کلمات سے مخاطب فرماتے ہیں۔ اور دنیا میں اس کی نظیر اور کہیں سے نہیں مل سکتی۔ چنانچہ اس سے دوسرے دن وہ بیعت کرنے کے لئے بیتاب ہو گئے۔ اور آپ بار بار یہ کہا کرتے تھے میری بیعت جلدی ہو جانی چاہیئے۔ نہ معلوم بیعت سے پہلے دم ہی نکل جائے۔ اور محروم ہوکر ہی مر جائیں چنانچہ انہوں نے بیعت کی اور اس پر بہت ہی مسرت کا اظہار کیا۔ جب بیعت کرکے واپس وطن موضع راجیکی میں گئے۔ تو ہمارے رشتہ داروں نے اس کی بڑی سخت مخالفت کی اور کئی طرح سے نقصان پہنچایا۔ لیکن وہ نوجوان اور صالح مرد نہایت استقلال اور استقامت کے ساتھ احمدیت پر قائم رہا ۱۹۰۵ء میں جس سال حضرت مولانا عبدالکریم صاحب نے وفات پائی

۲ اس سال وہ بھی رحلت کر گئے۔ اس مخلص کے فوت ہونے سے مجھے بہت ہی صدمہ محسوس ہوا۔ وہ مسیح موعودؑ کے مخلص صحابہ سے تھا۔ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں اسکے درجات بلند فرمائے اور اسے اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ آمین

# تاریخ سلسلہ کا ایک جدید باب

39

# قادیان میں ایک صنعتی سکول کا افتتاح

## حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ نے اپنے دستِ مبارک سے افتتاح کی رسم ادا کی

تمام دنیا کی حکومتوں میں وہ ہی حکومتیں بام ترقی پر کھڑی نظر آرہی ہیں۔ جو **تجارت و صنعت** میں ممتاز ہیں۔ صنعت اور تجارت دو لازم ملزوم چیزیں ہیں۔ جب کسی قوم کے ہاتھ میں صنعت ہوگی تو تجارت لازماً ہوگی۔ ہماری جماعت اگرچہ ہر قسم کی ترقی کر رہی ہے۔ مگر یہ دروازہ ابھی تک ایسا تھا۔ کہ جس میں ہم ابھی تک داخل نہیں ہوئے تھے۔ ہندوستان میں عام طور پر بدحالی اور مفلسی کا دور دورہ ہے۔ جس کی وجہ صنعت و تجارت کا فقدان ہے۔ اسی اثر کے ماتحت ہماری جماعت بھی اس لائن میں پیچھے ہے۔ مگر حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ نے خدا تعالےٰ کے فضل سے قوم کے لئے صنعت و تجارت کا ایک جدید بیج لگایا ہے۔ وہ دن دور نہیں۔ جبکہ یہ بیج ایک شاندار درخت بن جائیگا۔ اور ہم کو ان قوموں کی صف میں لاکر کھڑا کر دیگا جو اپنی صنعت اور تجارت کے ذریعے دنیا کی منڈیوں پر چھا رہی ہیں ضرورت ہے۔ کہ قوم پورے طور پر اس سکول کی طرف توجہ کرے اور جو تجارتیں یا صنعتیں احمدی کاریگروں کے ہاتھوں تیار ہوں ان کو فروغ دینے کی پوری سعی کریں۔ سٹار ہوزری کی جرابیں اور ہمالیہ گلاس فیکٹری کا شیشہ کا بنا ہوا سامان احمدی کاریگروں کے ہاتھ کی بنی ہوئی صنعتیں ہیں۔ ان صنعتوں کو فروغ دینا ہر احمدی کا فرض ہے۔

اور اب جو جدید صنعتیں حضرت امیر المومنین ایدہ تعالےٰ کے منشاء مبارک کے ماتحت رائج ہوں۔ ان کا فروغ دینا جماعت کی ترقی کے لئے بہت بڑی ممد اور مددگار ثابت ہونگی۔ (انشاء اللہ) چونکہ حضور کا یہ خطبہ ہماری آئندہ ترقی کے لئے بطور ایک سیڑھی کے ہے۔ اس لئے اس کی بکثرت اشاعت کے خیال سے معزز اخبار الفضل سے لیکر الحکم میں شائع کر رہا ہوں

(ایڈیٹر)

۲۰ مارچ ساڑھے آٹھ بجے صبح حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ نے صنعتی سکول واقع محلہ دار البرکات کا افتتاح کرتے ہوئے حسب ذیل تقریر فرمائی۔

تشہد۔ تعوذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

آج آپ لوگوں کو یہاں آنے کی اس لئے تکلیف دی گئی ہے۔ کہ میرا منشاء ہے۔ آج ہم دعا کر کے اس

### صنعتی سکول کا افتتاح

کریں۔ جس کا اعلان میں پہلے کر چکا ہوں۔ دنیا میں تعلیم اور صنعت و حرفت علیحدہ علیحدہ تنگ دائروں میں تقسیم ہو سکتی ہے۔ ورنہ بڑے بڑے دائرے تو صرف دو ہی ہیں جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ علم دو ہیں۔ علم الادیان اور علم الابدان۔ یعنی ایک علم وہ ہے جو دین کو نفع دیتا ہے۔ اور دوسرا علم وہ ہے۔ جو جسم کو نفع دیتا ہے۔ لوگوں نے اس علم کے معنے طب کے بھی کئے ہیں۔ بیشک طب بھی اس سے مراد ہو سکتی ہے۔ لیکن اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ ہر وہ علم جس کا مادیت کے ساتھ تعلق ہو۔ پس رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے درحقیقت

### علم کی تعریف

یہ فرمائی ہے۔ کہ جو روح یا جسم کو فائدہ دے۔ جو علم روح یا جسم کے لئے فائدہ مند نہیں۔ وہ علم نہیں۔ کھیل ہے۔ اور اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

### وہ علم جو روح کو نفع دے

وہ تو اس وقت دین اسلام ہی ہے۔ کیونکہ باقی دین اس قابل نہیں۔ کہ وہ روح کو کوئی فائدہ پہنچا سکیں۔ روحانی لحاظ سے صحیح طور پر اور ہر ضرورت کے موقعہ پر نفع دینے والی چیز صرف اسلام ہے۔ باقی رہا

### علم الابدان

اس علم کا تعلق مختلف پیشوں سے ہے۔ پیشے تو لاکھوں ہیں۔ لیکن وہ چونکہ ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں اس لئے

### بڑے بڑے پیشے

چند ہی ہیں۔ مثلاً ایک پیشہ وہ ہے جس سے انسان کی زندگی کا بڑا تعلق ہے۔ اور وہ زراعت ہے۔ زراعت کے ذریعہ غلہ وغیرہ اور ایسی چیزیں پیدا کی جاتی ہیں۔ جن پر انسان کی زندگی کا دارومدار ہے۔ اس کے بعد دوسری چیز جسم کو ڈھانپنے کا سوال ہے۔ اس کے لئے کپڑا بننے والے کی ضرورت ہے۔ جس کو ہم جلاہا کہتے ہیں۔ پھر پہننے کے لئے متفرق چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً کپڑے کے علاوہ جرابیں۔ سویٹر وغیرہ یہ سب چیزیں اسی پیشہ کے اندر آجاتی ہیں۔ اور وہ سب اشیاء جن کا کپڑے کے ساتھ تعلق ہوگا سب کی سب اس پیشہ سے متعلق ہونگی۔ تیسرا پیشہ معماری ہے۔ کیونکہ عناصر میں جو طوفان پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے اثرات سے بچنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ انسان مکان بنائے۔ یا ایک دوسرے کے ضرر سے بچنے کے لئے مثلاً چور یا حملہ آور سے محفوظ رہنے کے لئے مکان ضروری ہے۔ پس تیسری چیز معماری ہے۔ چوتھا پیشہ جو اصولی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ لوہاری کا کام ہے۔ بہت ساری چیزیں ایسی ہوتی ہیں۔ جن کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کی انسان کو ضرورت پیش آتی ہے۔ یا خود انسان کو

### ایک جگہ سے دوسری جگہ

جانے کی حاجت ہوتی ہے۔ اس کے لئے مثلاً گاڑیاں موٹریں۔ سائیکل یا ریل گاڑیاں کام میں لائی جاتی ہیں۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے اور انسانی کاموں میں

### سہولت پیدا کرنے کے لئے

یہ دو پیشے ہیں۔ ایک لوہار کا کام دوسرا ترکھان کا کام۔ یہ زراعت میں مفید ہونے کے علاوہ باقی بہت سے کاموں کے لئے بھی نہایت ضروری ہیں۔ اور انسان کے عام مشاغل کو بھی سہل بناتے ہیں۔ پھر علم الابدان میں وہ چیز بھی آجاتی ہے۔ جس کو لوگوں نے مقدم کر رکھا ہے۔ یعنی علم کیمیا اور علم طب۔

### علم طب بھی انسانی علاج کو سہل کر دینے والی چیز ہے

تو گویا۔ زراعت ۱۔ معماری ۲۔ لوہاری ۳۔ نجاری ۴۔ علم کیمیا ۵۔ علم طب ۶۔ اور علم طب درحقیقت ایک لحاظ سے علم کیمیا ہی کی ایک شاخ ہے۔ اور کپڑا بننے کا کام۔ یہ سات پیشے ہوئے باقی تمام پیشے انہی کے اندر آجاتے ہیں مثلاً دوسرے پینٹنگ وغیرہ۔ معماری کی بھی ایک شاخ ہے۔ اور علم کیمیا کی بھی۔

### چمڑے کا کام

اس کے علاوہ ہے۔ تو اسے ملا کر گویا آٹھ پیشے ہوئے۔ ان آٹھ پیشوں کو جو قوم جان لیتی ہے۔

وہ اپنی ضروریات کے لئے دوسروں کی محتاج نہیں رہتی۔ بشرطیکہ وہ ان پیشوں کو اس رنگ میں جانتی ہوں کہ جیسا کہ جاننے کا حق ہے۔ یہ نہیں کہ ایک کام سیکھ کر یہ سمجھ لیا جائے۔ کہ بس اب کام ختم ہو گیا۔ اور ... ترقی کرنے کی ضرورت نہیں۔

وٹرنری کا علم یعنی حیوانوں اور جانوروں وغیرہ کا پالنا۔ اور ان کا علاج بھی علم الابدان ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ علم اور نرسنگ وغیرہ کا علم طب کے نیچے آجائیں گے۔ پس جتنے علوم ہیں وہ سب انہی

## آٹھ پیشوں کے اندر محصور

ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ان میں سے بعض یا تو زراعت سے تعلق رکھتے ہونگے۔ یا چمڑے کے کام سے تعلق رکھتے ہونگے۔ یا معماری سے کے کام سے تعلق رکھتے ہونگے یا نجاری کے کام سے تعلق رکھتے ہونگے۔ ان چیزوں سے باہر اور شائد ہی کوئی چیز ہو۔ اگر یہ چیزیں کوئی قوم مضبوطی سے حاصل کرے تو وہ دوسری قوموں سے آزاد ہو جاتی ہے۔ ان کا ممد پیشہ بے شک تجارت ہے۔ مگر وہ تابع پیشہ ہے۔ حقیقی پیشہ نہیں۔ اور اپنی ذات میں وہ کوئی الگ نہیں۔ کیونکہ وہ انسان کی بنائی ہوئی چیزوں کو ہی لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ لیکن دولت کے لحاظ سے وہ پیشہ ان سے کم نہیں۔ ان سے زیادہ ہی اہمیت رکھتا ہے۔ اور وہ اس لئے کہ مالی لحاظ سے اس کو ان پیشوں پر فوقیت حاصل ہے۔ سوائے اس کے کہ پیشہ ور اپنے ساتھ تجارت کو بھی شامل کریں۔ جب تجارت ساتھ شامل ہو جائے۔ تو کام بہت وسیع ہو جاتا ہے۔

میں نے تحریک جدید کے اس پہلو پر غور کرتے ہوئے یہ معلوم کیا ہے۔ کہ ہماری جماعت میں کن پیشوں کی کمی ہے۔ اور کونسے پیشے ایسے ہیں جنہیں انفرادی یا جماعتی طور پر ہمیں لوگوں کو سکھانے کی ضرورت ہے۔

## زراعت کے متعلق

میں نے دیکھا ہے۔ کہ ہماری جماعت میں کافی لوگ ایسے ہیں جو زراعت کا کام کرتے ہیں۔

## تجارت کے متعلق

میں نے غور کیا۔ ... اور میں نے دیکھا کہ اگرچہ اس کی ہماری جماعت میں کمی ہے لیکن چونکہ ہم ابھی اس کام میں فوری ہاتھ ڈالنے کے قابل نہیں تھے۔ اس لئے میں نے چند مبلغوں کو تیار کیا۔ کہ وہ بعض ایسی نئی تجارتی چیزیں دریافت کریں جنہیں ہم ہاتھ میں لیکر ان کی تجارت کر سکتے ہیں۔ جو تجارتیں پہلے قائم شدہ ہیں ان میں ہمارا داخل ہونا اور کروڑوں روپیہ کے سرمایہ کی تجارتوں کے مقابل ہمارا کھڑا ہونا ناممکن ہے۔ اس لئے میں نے تجویز کی کہ نئی تجارتی اشیاء دریافت کی جائیں۔ اس ضمن میں میں نے دیکھا۔ کہ تجارتوں میں جو واسطے پائے جاتے ہیں ان کو اڑانے کی ضرورت ہے۔ ممکن ہے بعض دوست

## واسطوں کا مطلب

نہ سمجھیں۔ اس لئے میں اس کی تشریح کر دیتا ہوں۔ واسطے کا مطلب یہ ہے۔ کہ اصل خریدار تک پہونچنے کے لئے ایک چیز کئی ایک ہاتھوں سے گزر کر آتی ہے مثلاً ایک چیز انگلستان میں پیدا ہوتی ہے۔ اور فرض کرو وہ چین میں جا کر بکتی ہے۔ تو بسا اوقات ایسا ہوتا ہے۔ کہ اسے پہلے ایک ملک نے خریدا۔ اس سے پھر دوسرے نے اور پھر تیسرے اور چوتھے نے۔ یہاں تک کہ وہ چیز کئی ملکوں میں سے ہوتی ہوئی چین تک جا پہونچی۔ جنگ کے دنوں میں اس

راز کا انکشاف ہوا تھا۔ کہ وہ دوائیاں جو یہاں آکر بکتی تھیں وہ دراصل جرمنی میں بنائی جاتی تھیں۔ اور ان پر صرف انگریزی ٹھپہ لگتا تھا۔ اور ہندوستان میں لوگ انہیں صرف انگریزی دوا کر کے خریدتے تھے۔ ہندوستانیوں کو اس بات کا علم نہ تھا۔ انگریز انہیں جرمنی سے خرید کر ہندوستانیوں سے کئی کئی بڑی بڑی قیمتیں لیتے تھے۔ اور بہت کم لوگ اس راز سے آگاہ تھے۔ باقی سارے لوگ ناواقف تھے۔ جب جنگ شروع ہوئی تو دوائیاں نایاب ہو گئیں اور لوگ اس بات سے حیران تھے۔ لیکن پھر یہ راز کھلا کہ جرمنی کی دوائیاں انگلستان میں سے ہوتی ہوئی ہندوستان آتی تھیں۔

پس واسطے کا مطلب یہ ہے۔ کہ ایک ملک کی اشیاء اور ملکوں میں سے گزر کر اصلی حاجتمند کے پاس پہونچتی ہیں۔ اس کے متعلق یہ پتہ لگایا جائے۔ کہ کس ملک کی کونسی چیز کس کس ملک سے ہو کر آتی ہے۔ یہ معلوم کرنے کے بعد جو چیز مثلاً جرمنی میں بنتی ہے اس کے لئے اگر کوئی شخص جرمنی جا کر کہے کہ تم اپنی فلاں چیز براہ راست ہمیں بھیجو اور اس طرح کی

## ایک دوکان

کھول لی جائے۔ تو براہ راست تعلق قائم ہونے کی وجہ سے بیچ کا نفع جو دوسرے لوگ اٹھا رہے ہونگے وہ ہمیں اٹھائیں گے۔ اور اس طرح وہ چیز سستی مل سکے گی۔ اور نفع اپنے ہاتھوں میں رہے گا۔

میں نے دیکھا ہے۔ کہ بعض دفعہ سات سات اور آٹھ آٹھ واسطے درمیان میں پڑ جاتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیوں کوئی چیز سات یا آٹھ ہاتھوں میں گزر کر آئے جتنے واسطے اڑائے جا سکیں اتنی ہی کم قیمت پڑیگی۔

پس اس کا فائدہ یہ ہوگا۔ کہ وہ چیز براہ راست ہمیں پہونچے گی۔ اور دوسرا فائدہ یہ ہوگا۔ کہ اس پر کم خرچ آئیگا۔ اور واسطوں کے اڑ جانے سے ہم تھوڑے سرمایہ سے بڑے بڑے سرمایہ داروں کا مقابلہ کر سکیں گے۔ مگر یہ تجارت قادیان میں نہیں ہوگی کیونکہ یہاں کوئی منڈی نہیں ہے۔ یہ کلکتہ دہلی یا دوسرے بڑے شہر میں قائم ہو سکتی ہے۔

باقی پیشوں میں سے جو ان کی ضروریات مہیا کرتے ہیں

## کپڑا بننے کا کام

بہت بڑے سرمایہ کو چاہتا ہے۔ اور یہ شروع سے ہی لاکھوں روپیہ والے لوگوں کے ہاتھوں میں چلا گیا ہے۔ اس لئے فوراً اس میں ہاتھ نہیں ڈالا جا سکتا اس کے لئے ہمارے پاس ایک hosiery یعنی سیج ہے۔ اور وہ ہوزری ہے۔ فی الحال جرابیں وغیرہ بنانے کا کام جاری ہے۔ اس کے ساتھ ہم آہستہ آہستہ دوسرے کپڑے بنانے کا کام بھی شروع کر دیں گے کپڑے کے لئے کھڈیاں وغیرہ بھی استعمال کی جاتی ہیں لیکن ابھی تک کھڈیاں اتنی مفید ثابت نہیں ہوئیں ایک دو دفعہ لدھیانہ سے مشینیں منگا کر دیکھی ہیں لیکن ان کے ذریعہ جو کام کیا گیا۔ وہ زیادہ مفید ثابت نہیں ہوا۔ اگر آئندہ مفید ثابت ہو۔ تو وہ کام بھی انشاء اللہ شروع کر دیا جائیگا۔ اب رہ گیا

## طب کا علم

طب کے متعلق باقاعدہ طور پر کام شروع نہیں کیا گیا لیکن مبلغ جو باہر جاتے ہیں۔ انہیں طب پڑھانے کا

انتظام کیا جاتا ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ نے توفیق دی تو ایک الگ طبی سکول جاری کر دیا جائیگا۔ یا مدرسہ احمدیہ کی ایک شاخ کھول دی جائیگی۔ اور یہ کام خصوصاً اس لئے شروع کیا جائیگا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اس سے تعلق تھا۔ اور حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ تو ایک بلند پایہ طبیب بھی تھے۔ غرض طب سلسلہ احمدیہ سے خاص تعلق رکھتی ہے بچپن میں عموماً میری صحت خراب رہتی تھی۔ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ تم قرآن شریف اور بخاری کا ترجمہ اور طب پڑھ لو۔ چنانچہ میں نے طب کی تین چار کتابیں پڑھیں بھی۔ تو طب کے متعلق میرا خیال ہے۔ کہ اسے جاری کیا جائے فی الحال مبلغین کو طب پڑھانے کا انتظام کیا گیا ہے۔

اب پانچ پیشے رہ جاتے ہیں۔ کیمیا۔ چمڑے کا کام لکڑی کا کام۔ لوہاری اور معماری کا کام۔

## معماری کے کام

میں فی الحال دخل دینا ضروری نہیں سمجھا۔ کیونکہ معماری کے کام کے لئے خاص انتظام کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ لوگ اپنے اپنے طور پر اسے سیکھ سکتے ہیں۔ لیکن اگر موقعہ ملا۔ تو ہم اسے بھی نظر انداز نہیں کریں گے۔

باقی رہ جاتے ہیں چار کام۔ لوہاری۔ نجاری چمڑے کا کام اور علم کیمیا۔ یہ سکول جس کے افتتاح کے لئے آج ہم جمع ہوئے ہیں۔ اس میں تین کام شروع کئے جائیں گے۔ ابھی صرف دو جماعتیں کھولنے کا انتظام کیا گیا ہے۔

## لوہاری اور نجاری

چمڑے کے کام کی سکیم ابھی زیر غور ہے۔ کیمیا کے کام مثلاً ادویہ سازی کے متعلق بھی میں مشورہ کر رہا ہوں۔ اور میرا ارادہ ہے۔ کہ انشاء اللہ اس کام کو ابھی شروع کر دیا جائے۔ اس کام کی ایک قسم گو شروع ہو گئی ہے۔ اور وہ گلاس فیکٹری ہے۔ لیکن وہ ایک خاص شکل میں محدود ہے۔ کیمیا سازی میں پلیٹنگ پالش وغیرہ سب چیزیں آجاتی ہیں۔ میں اس کے متعلق ماہر فن لوگوں سے مشورہ کر رہا ہوں۔ اگر اللہ تعالےٰ نے توفیق دی۔ تو اس میں بھی ہاتھ ڈالا جائیگا۔ باقی تین کام جو ہم شروع کرنے والے ہیں۔ اور ان کے ساتھ کپڑا بننے کا کام بھی لگا دیا جاتے تو چار ہوتے ہیں۔ نہایت ضروری ہیں۔ مگر بدقسمتی سے یہ کام ہندوستان میں ذلیل سمجھے جاتے ہیں جب کسی ملک کے زوال کے دن آتے ہیں تو لوگوں کی ذہنیتیں بھی بدل جاتی ہیں۔ اگر کسی سے کہہ دیا جائے کہ یہ موچی ہے۔ تو لوگ سمجھیں گے۔ کہ وہ ذلیل کام کرنے والا ہے اور وہ خود بھی اس پیشے کو ذلیل سمجھیگا۔ اور اسے چھوڑ دینے کی خواہش کریگا۔ لوہار اور ترکھان کے پیشے کو بھی ذلیل سمجھا جاتا ہے۔ گو وہ موچی کے پیشے کی طرح بدنام نہیں۔ اور گو لوگ انہیں حقیر نہ سمجھتے ہوں۔ مگر وہ کبھی پسند نہ کریں گے کہ ہمارے بچے

## لوہار یا ترکھان

بنیں۔ یا وہ جلاہے کا کام سیکھیں۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ ان پیشوں کی آمدنیاں محدود ہو گئی ہیں۔ جب کسی پیشہ میں نفع کم ہو جائے تو قدرتی طور پر اس کی قدر بھی کم ہو جاتی ہے۔ مثلاً تمہیں ہندوستان میں ایسے طبیب بھی ملیں گے جن کی ماہوار آمدنی پانچ چھ روپے سے زیادہ نہیں ہوگی۔ لیکن ایسے طبیب

بھی ملیں گے۔ جن کی آمدنی پانچ چھ ہزار روپیہ ماہوار ہوگی۔ اگر سارے طبیب پانچ یا چھ ہزار آمدنی کے ہوں تو طب کی بھی کم قدر ہو جائے۔ چونکہ لوہارے اور ترکھانے کی آمدنی بہت کم اور محدود رہ گئی ہے۔ اس لئے لوگوں نے ان پیشوں کو ذلیل سمجھنا شروع کر دیا ہے۔ تجارت میں چونکہ آمدنی زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے اس کی قدر زیادہ کی جاتی ہے۔ لیکن اگر ہم بھی ان تمام پیشوں کو اسی طریق پر چلاتے۔ جس طریق پر انہیں یورپ میں چلایا جاتا ہے۔ تو یہاں بھی ان کی ویسی ہی قدر کی جاتی۔ جیسی کہ وہاں کی جاتی ہے۔ اب دیکھ لو

## تمام کپڑا یورپ سے آتا ہے

جو یا تو لنکا شائر میں بنتا ہے۔ یا بلجیم میں بیان کیا جاتا ہے۔ کہ ہر سال آٹھ کروڑ روپے کا کپڑا باہر سے ہندوستان میں آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کام جلاہے کرتے ہیں چاہے کسی قسم کا کپڑا بنا جائے۔ گرم کپڑا ہو۔ یا چھینٹ ہو یا کھدر۔ بننے کا کام کسی کو جلاہا نہیں بناتا۔ بلکہ کپڑا بننے کا کام جلاہا بناتا ہے۔ پھر لوہارے کے تمام کاموں کی اشیا یورپ سے آتی ہیں۔ مثلاً ریل گاڑی کا سامان کپڑے سینے کی مشینیں۔ روئی اور بنولے کی مشینیں موٹر۔ بائیسکل۔ مختلف پرزے۔ سب یورپ سے آرہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ آہستہ آہستہ یورپ والوں نے سرمایہ داری کے ذریعہ سارا کام اپنی طرف کھینچ لیا ہے۔ اور اب تو یہ حالت ہے۔ کہ جب ہمارا کپڑا پھٹ جائے اور اسے سینے کی ضرورت ہو۔ تو ہمیں

## سوئی کے لئے بھی یورپ کا دست نگر

ہونا پڑتا ہے۔ بچپن میں مجھے یاد ہے۔ کہ ہندوستان کی بنی ہوئی سوئیاں جو کچی سوئیاں کہلاتی تھیں۔ استعمال کی جاتی تھیں۔ مگر اب وہ کہیں نظر نہیں آتیں۔ بات یہ ہے کہ جن چیزوں کے متعلق یورپ والوں نے دیکھا کہ ہندوستان میں استعمال ہوتی ہیں۔ انہوں نے وہ چیزیں مشین کے ذریعہ بنانی شروع کر دیں۔ اب تو مشینوں نے کھدر بھی بنا دیا ہے۔ اور وہ کھدر کریپ کہلاتا ہے یورپ والوں نے کہا اگر ہندوستانی کھدر پہننے کے لئے ہی تیار ہیں۔ تو ہم مشینوں سے کھدر ہی تیار کر دیں گے۔ پھر نجاری کا کام ہے۔ اس میں بھی اعلیٰ قسم کے کام ولایت سے ہی آتے ہیں۔ بڑے بڑے گھروں میں دیکھ لو۔ کرسیاں اور کوچیں یورپ کی بنی ہوئی استعمال کی جاتی ہیں۔ اور بعض کوچوں کی قیمت کئی کئی سو تک ہوتی ہے۔ اسی طرح عمارتی کاموں میں بھی بعض ٹکڑے بنے بنائے ولایت سے آتے ہیں گو یہ پیشہ پھر بھی ایک حد تک محفوظ رہا ہے۔ باقی رہا

## چمڑے کا کام

اس کا بیشتر حصہ ولایت چلا گیا ہے۔ مگر اب واپس لوٹ رہا ہے۔ پہلے تمام چیزیں چمڑے کی ولایت سے بن کر آتی تھیں۔ مگر اب ہندوستان کے بعض شہروں میں مثلاً کانپور وغیرہ میں۔ چمڑے کی بہت اشیا تیار کی جاتی ہیں۔ تاہم چمڑے کی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو یورپ سے تیار ہو کر ہندوستان آتی ہیں۔ اور یورپ والے ان کے ذریعہ روپیہ کما رہے ہیں۔ یورپ میں جوتیاں بنانے والے ہمارے ہاں کے موچیوں کی طرح نہیں سمجھے جاتے۔ بلکہ ان کی وہی قدر و منزلت ہوتی ہے۔ جو وہاں بڑے بڑے لارڈوں کی ہوتی ہے۔ بلکہ وہاں تو ایسے لوہار یا نجار یا بوٹ میکر ہیں جو لارڈ ہیں اور ان کی بہت عزت کی جاتی ہے۔ ان میں سے

جب کوئی ہندوستان آتا ہے۔ تو وائسرائے کا مہمان ہوتا ہے۔ اور راجے تو اب بھی اس کے آگے پیچھے پھرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ انہوں نے اپنی آمدنیوں کو محدود نہیں رکھا۔ بلکہ انہیں غیر محدود بنا لیا ہے۔ اور ان کے پیشے اپنی غیر محدود آمدنیوں اور وسیع پیمانے پر ہونے کی وجہ سے معزز تصور ہو رہے ہیں۔ مگر ہندوستان میں یہی پیشے قلیل آمدنیوں کی وجہ سے ذلیل سمجھے جاتے ہیں۔ یہاں ایک اور عجیب رواج بھی ہے۔ اور دراصل ہندوستانیوں کو اسی کی سزا مل رہی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ ایک پیشہ ور انسان اپنے پیشہ کو ذاتی جائیداد تصور کرتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ صرف اپنے بیٹے کو وہ پیشہ سکھا دے۔ کسی دوسرے کو وہ سکھانا پسند نہیں کرتا۔ کہ کوئی شخص کسی کام کو

## اپنی ذاتی جائیداد

بنا کر بیٹھ جائے۔ یورپ میں ہم دیکھتے ہیں۔ کہ کوئی خاندان سارے کا سارا بوٹ بنانے والا نہیں ہوگا۔ اگر باپ بوٹ میکر ہوگا۔ تو بیٹا کیمیا کے علم کا ماہر ہوگا۔ پوتے کپڑا بنانے کا کام کرتے ہونگے۔ اور پڑپوتے کسی فرم میں حصہ دار ہونگے۔ غرض ایک ہی کام نہیں ہوگا۔ جس میں وہ سارے کے سارے لگے ہوئے ہونگے مگر ہمارے ملک نے سمجھ رکھا ہے۔ کہ پیشے ذاتی جائیداد ہوتے ہیں۔ اور وہ اپنے خاندان تک ہی محدود رہنے چاہئیں۔ کسی اور کو نہیں سکھانے چاہئیں۔ اس کے دو بہت بڑے نقصان ہیں۔ ایک انفرادی اور دوسرا قومی قومی نقصان تو یہ ہے۔ کہ اگر بیٹا باپ جیسا لائق نہ ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ فن گر جائیگا۔ اور اس طرح قوم کو نقصان پہنچیگا۔ دوسرا نقصان یہ ہے۔ کہ باپ سے بیٹے کو اور بیٹے سے پوتے کو جب وہ کام ورثہ میں ملیگا۔ تو ان کے نام کے ساتھ ایک اور چیز جسے پنجابی میں اَل کہتے ہیں لگ جائیگی۔ اور وہ اس کی قومیت بن جائیگی۔ حالانکہ آزادانہ پیشہ اختیار کرنے کا طریق رائج ہو۔ تو بالکل ممکن تھا۔ کہ ایک درزی کا کام کرنے والے کا بیٹا اچھا لوہار یا اچھا نجار یا اعلیٰ معمار بن سکتا۔ پس اس طریق کا انفرادی طور پر بھی نقصان ہوا۔ اور قومی طور پر بھی۔ یورپ میں لوگوں نے اپنے آپ کو ان نقصانات سے بچا لیا ہے۔ نہ ان کے نام کے ساتھ کوئی اَل لگی اور نہ ان کے پیشے ہی محدود رہے۔ کیونکہ انہوں نے ایک ہی کام پر مجبے رہنا پسند نہیں کیا۔ بلکہ کام تبدیل کرتے گئے۔ اور انسانی فطرت کا یہ تقاضا ہے۔ کہ وہ تبدیلی چاہتی ہے۔ مرد کم تبدیلی کا خواہاں ہوتا ہے۔ مگر عورت زیادہ تبدیلی چاہتی ہے۔ گھروں میں دیکھ لو۔ جب کبھی عورتیں صفائی کرتی ہیں۔ تو چیزوں کو ادھر سے ادھر رکھ کر نقشہ بدل دیتی ہیں۔ اور بالکل بلا وجہ ایسا کرتی ہیں پہلے اگر چارپائی مشرقی دیوار کے ساتھ ہوگی۔ تو پھر مغربی دیوار کے ساتھ کر دی جائیگی۔ کبھی جنوبی دیوار کے ساتھ لگا دی جائیگی۔ اور کبھی پھر مشرقی دیوار کے ساتھ رکھ دی جائیگی۔ یہ صرف نظارے کی تبدیلی ہوتی ہے۔ بہرحال

## تبدیلی ترقی کے لئے ضروری چیز ہے

گو تبدیلی میں تنزل کا پہلو بھی ہوتا ہے۔ مگر اس میں ترقی بھی ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے انسان میں یہ مادہ رکھا ہے۔ کہ وہ ایک حالت میں رہنا پسند نہیں کرتا۔ بلکہ تغیر چاہتا ہے۔ اور کام کی تبدیلی کے ساتھ بھی بہت سے خاندان بڑھتے اور گھٹتے ہیں۔

غرض ان تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اس صنعتی سکول کی ابتدا کی ہے۔ میں نے بتایا ہے کہ ہندوستان کے تنزل اور تباہی کی ایک وجہ ان پیشوں کا ہمارے ہاتھوں سے نکل جانا ہے۔ اور یورپ کی ترقی کی وجہ ان پیشوں کا ان کے ہاتھ میں چلے جانا ہے۔ پھر میرے مدنظر یہ بات بھی ہے۔ کہ اس طرح بیکاری کو دور کرنے کی بھی کوشش کی جائے مگر میں فوری طور پر اس کام کو وسعت نہیں دے سکتا۔ کیونکہ

## ہمارے پاس سرمایہ کم ہے

گو میری خواہش یہی ہے۔ کہ ہر بیکار کو کام پر لگایا جائے مگر عقل چاہتی ہے۔ کہ کام کو اس طریق سے چلایا جائے کہ چند دن جاری رہ کر پھر ختم ہو جائے۔ بلکہ ایسے طریق سے قدم اٹھایا جائے۔ کہ جس سے ہمارے کام کو دوام نصیب ہو۔

فی الحال میں نے یہ سکیم بنائی ہے۔ کہ ایک استاد کے ساتھ تین شاگرد ہوں۔ اس طرح کام چلانا سہل ہوگا۔ ہر تیسرے ماہ طالب علموں کا انتخاب ہوا کریگا اور مزید تین لڑکوں کو بیکری کام پر لگا دیا جائے گا۔ اس طرح سال میں ہر ایک استاد کے پاس بارہ طالب علم ہو جائیں گے۔ اور پھر سال بھر کے سیکھے ہوئے لڑکے نئے داخل ہونے والے لڑکوں کو کام سکھا بھی سکینگے اس سلسلہ میں جو مشکلات پیدا ہونگی۔ وہ تو بعد میں ہی دیکھنے میں آئیں گی۔ مگر اصولی طور پر یہ بات مدنظر رکھی گئی ہے۔ کہ اس طرح آہستہ آہستہ کام کو بڑھایا جائے۔

میری تجویز یہ بھی ہے۔ کہ ہماری جماعت کے لوگ بھی اس کام میں حصہ لیں۔ اور وہ اس طرح کہ اس سرمایہ کے جو اس پر لگایا جائے۔ حصص خریدیں۔ چنانچہ اس میں تجارتی طور پر حصہ لینے کے لئے میں نے جماعت کے لئے گنجائش رکھی ہے۔ اس میں سے پچاس فیصدی تک سرمایہ کے حصے خریدے جا سکتے ہیں۔

میں نے اس سکول کے متعلق اصول انتخاب میں یہ بات مدنظر رکھی ہے۔ کہ یتامیٰ کو مقدم رکھا جائے۔ اور ان کی نسبت دوسرے لڑکوں کے انتخاب کی شرائط کڑی ہوں۔ مثلاً پہلی شرط ان کے لئے یہ رکھی گئی ہے کہ وہ

## کم سے کم پرائمری پاس

ہوں۔ مگر یتیموں کے لئے پرائمری پاس ہونے کی شرط نہیں۔ گو انہیں بھی اگر وہ اَن پڑھ ہوں تعلیم دی جائیگی پھر یہ بھی شرط ہے۔ کہ ان کو

## بورڈنگ میں رکھا جائے گا۔

اور پانچ سال انہیں یہاں رہنا ہوگا۔ تین سال تک ان پر ہم خرچ کریں گے۔ باقی دو سال میں اس آمد پر جو ان کی تیار کی ہوئی اشیاء سے حاصل ہوگا۔ ان کا خرچ چلیگا۔ پہلے تین سال تک استادوں کی تنخواہیں بورڈنگ کا خرچ اور کپڑے وغیرہ کا خرچ تحریک جدید کے ذمہ ہوگا۔ اس کے علاوہ جو دو سال اس لئے زائد رکھے ہیں۔ تاکہ وہ سلسلہ کا کام کریں۔ اور اس قرض کا کچھ حصہ جو ان پر خرچ ہوا ہو۔ ادا کر سکیں۔ اگر کوئی لڑکا بیچ میں ہی کام چھوڑ کر چلا جائیگا۔ تو اسے وہ روپیہ واپس دینا ہوگا جو اس پر خرچ ہوا۔ سوائے اس کے کہ کوئی اشد معذوری اسے پیش آجائے۔ مثلاً کوئی آنکھوں سے اندھا ہو جائے۔ یا اور کسی طرح کام

کے ناقابل ہو جائے۔ کیونکہ ایسے کاموں میں اس قسم کے حادثات بھی ہو جانے کا اندیشہ ہؤا کرتا ہے۔ پس ان باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جو لڑکے داخل ہونا چاہیں وہی داخل ہو سکتے ہیں۔ یتامیٰ کے متعلق میں نے ۔ ۔ بتایا ہے۔ کہ ان کو بغیر کسی شرط کے لے لیا گیا ہے۔ مگر دوسروں کے لئے یہ شرط ہے۔ کہ وہ کم از کم پرائمری پاس ہوں۔ آئندہ آہستہ آہستہ شرائط کڑی کر دی جائیں گی۔ مثلاً پھر یہ شرط رکھی جائیگی۔ کہ مڈل پاس طالب علم لئے جائیں۔ اور مڈل تک کی تعلیم تو مجلس مشاورت میں ہماری جماعت کے لئے لازمی تعلیم قرار پا چکی ہے۔ پس جب مڈل تک کی تعلیم ہر احمدی کے لئے لازمی ہے۔ تو بعد میں تعلیم کے اسی معیار کے لحاظ سے طالب علم سکول میں لئے جائیں گے

علاوہ ازیں اس سکول کے استادوں کو دوسرے مدرسوں کے لڑکوں کو کام سکھانے پر لگایا جائے گا۔ یعنی

## دوسرے مدرسوں کے طالب علموں کو

بھی اس قسم کے کام سکھائے جائیں گے۔ مثلاً ہائی سکول یا مدرسہ احمدیہ کے جو لڑکے چاہیں گے ان کے لئے بھی انتظام کر دیا جائے گا۔ مگر ان کے لئے ہفتہ میں صرف دو روز اس کام کے لئے ہونگے کیونکہ انہیں اپنے کورس کی اور پڑھائی کرنی پڑتی ہے۔ بے شک اس طرح وہ بہت دیر میں کام سیکھ سکیں گے۔ اور بعض دفعہ ان کو چھٹیوں میں یہ کام کرنا پڑیگا۔ مثلاً گرمیوں کی رخصتوں میں ان کو اور کہیں جانے کی اجازت نہ ہوگی۔ بلکہ انہیں یہ کام سکھایا جائیگا۔

بہرحال جب تک ہم پیشوں کے ساتھ تمام لوگوں کی دلچسپی نہ پیدا کر دیں گے۔ اس وقت تک پیشہ وروں کو ذلیل سمجھنے کی خرابی دور نہ ہوگی۔ جب سارے لوگ مختلف پیشے جانتے ہوں۔ اور ہر خاندان کا کوئی نہ کوئی آدمی اس قسم کا کام کرتا ہو۔ تو پھر پیشوں کے متعلق حقارت لوگوں کے دلوں سے مٹ جائے گی یورپ میں بڑے سے بڑے لوگ بھی اس قسم کے کاموں کو حقیر نہیں سمجھتے۔ بلکہ وہ خود کسی نہ کسی پیشہ کے ماہر ہوتے ہیں۔ چنانچہ فرانس کا ایک پریزیڈنٹ تھا۔ جس کے متعلق لکھا ہے۔ کہ جب کبھی اسے اپنے کام سے فرصت ملتی تو وہ دھونکنی پر جاکر کام شروع کر دیتا۔

پس اگر دوسرے سکولوں کی خواہش ہوئی۔ تو ان کے لئے بھی انتظام کر دیا جائیگا۔ اس کے بعد میں دوستوں سے خواہش کرتا ہوں کہ وہ مل کر دعا کریں۔ کہ اس ابتداء کو جو بظاہر چھوٹی اور ہیچ معلوم ہوتی ہے۔

## اللہ تعالیٰ ترقی کی منازل تک پہنچائے

اور ہمارے کام کرنے والے لوگ اس رنگ میں کام کریں۔ کہ جہاں وہ دنیا کے لئے بہتری کا موجب ہوں وہاں دین کے لئے بھی بہتری کا باعث بنیں۔ میں استادوں کو بھی نصیحت کرتا ہوں۔ کہ وہ لڑکوں میں یہ روح پیدا کریں کہ دنیا کے ساتھ انہیں دین بھی حاصل کرنا ہے۔ گویا وہ

## دست با کار اور دل بایار کے مصداق

بنیں۔ شروع سے ہی ان کے اندر یہ روح پیدا کی جائے۔ کہ سلسلہ کے لئے ہر قسم کی قربانی کرنا

## اپنے نفسوں کو مارنا

اور اپنے پیشوں کو صرف ذاتی مفاد تک محدود نہ رکھنا بلکہ ان سے سلسلہ کو بھی فائدہ پہونچانا ان کا مقصد ہے اگر یہ روح ان کے اندر پیدا ہو جائے۔ کہ انہوں نے اپنی اپنی صنعتوں میں غیر ممالک کے صناعوں کا مقابلہ کرنا ہے۔ اور ادھر نیکی اور تقویٰ پر بھی قائم رہنا ہے۔ تب یہ لوگ ہمارے لئے مفید ہو سکتے ہیں۔ ورنہ روٹی کمانے والے تو دنیا میں بہت لوگ ہیں۔ ہماری یہ غرض نہیں کہ صرف روٹی کمانے والے پیدا کئے جائیں بلکہ

## ہمارا مقصد یہ ہے

کہ ہماری جماعت کے لوگ ایسے ہوں۔ جو دنیا کے ساتھ ساتھ دین کو بھی حاصل کرنے والے ہوں۔ وہ اسلام کی کھوئی ہوئی شوکت کو واپس لانے میں ممد ہوں۔ اور دوسروں کو اس بات کا سبق دے سکیں۔ کہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی ایک شخص حقیقی مومن ہو سکتا ہے۔ اور دنیا کمانے سے اس کا ایمان کم نہیں ہوتا۔ بلکہ ترقی کرتا ہے۔

اس کے بعد حضور نے مجمع سمیت لمبی دعا فرمائی۔

(الفضل ۵ مارچ ۳۶ء)

# مبلغ فلسطین کی آمد

قادیان کی بستی میں بعض ایسی خصوصیات ہیں جو دنیا کے کسی شہر میں نہیں ہیں۔ جن میں سے ایک خصوصیت یہ ہے۔ کہ مبلغین کے جانے اور آنے کی جس قدر تقریبیں یہاں پیدا ہوتی ہیں اور کسی جگہ پیدا نہیں ہوتیں بعض اوقات تو روزانہ ہی ایسی تقریب پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسی تقریبات پر جماعت میں ایک زندگی اور روح پیدا ہوتی ہے۔ انہی تقریبوں میں سے مولانا ابوالعطاء اللہ دتا صاحب مولوی فاضل جالندھری کی آمد کی تقریب تھی۔ مولانا ابوالعطاء ساڑھے چار سال بلاد عربیہ میں خدمت دین کا فریضہ ادا کر کے تشریف لائے ہیں۔

آپ ۲۳ فروری کو ۱۲ بجے کی گاڑی سے قادیان پہنچے۔ حضرت امیر المومنین بنفس نفیس اسٹیشن پر موجود تھے۔ گاڑی کا اللہ اکبر کے نعروں سے استقبال کیا گیا۔ مولوی صاحب گاڑی کے دروازے میں بیتابانہ صورت میں کھڑے تھے۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ کو دیکھکر ان کی حالت بیتابی اور بڑھی اور چاہتے تھے۔ کہ چلتی ٹرین سے ہی اتر کر اپنے سید و مولیٰ کے دست بوس ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور کے خدام کو جو تعلق حضور سے اور پھر اپنے متعلق ہر شخص کا یہی خیال ہے۔ کہ وہ ادنےٰ سے ادنےٰ درجے کا خادم ہے۔

پس ایک خادم جب اپنے آپ کو دیکھتا ہے۔ اور پھر حضرت امیر المومنین کے بلند و بالا مقام کو علیٰ وجہ البصیرت دیکھتا ہے۔ اور پھر دیکھتا ہے کہ حضور اپنے خادم کی عزت افزائی کے لئے بنفس نفیس موجود ہیں۔ تو اس خادم کا دل پانی بن جاتا ہے اور جذبات اور احساسات کا ایک بحر بیکراں اسے گھیر لیتا ہے۔ اور وہ اپنے وجود میں کھویا جاتا ہے اور اس وقت اس کے خیالات کی ترجمانی صرف آنسو ہی کر سکتے ہیں۔ یہی حالت اس وقت مولانا کی تھی۔ حضور بھی جوشِ محبت میں اس کمرے کی طرف بڑھے۔ مولانا نے اتر کر حضور کے ہاتھوں کو بوسے دئے۔ حضور نے اپنے خادم کو گلے سے لگایا۔ اور معانقہ کا شرف بخشا۔ اپنے دست مبارک سے ہار مولوی صاحب کے گلے میں ڈالے۔ بعد میں حضور نے موقع دیا۔ کہ دوسرے دوست بھی مل لیں۔

اسٹیشن پر مبلغین بھی باوردی کھڑے تھے۔ سب نے مولانا سے معانقہ کیا۔ سالار جیش اپنی کوروں کو لیکر موجود تھے۔ مولانا نے ممبران کور سے بھی معانقہ کیا۔ جماعت کا اتنا بڑا اجتماع تھا۔ کہ یہ پہلا موقعہ تھا۔ سینکڑوں دوست بغیر معانقہ کئے رہ گئے۔ وہ صرف اپنے محترم مجاہد کو دیکھ سکے۔ اور السلام علیکم کہہ سکے۔

ملاقاتوں کے سلسلہ سے فراغت حاصل کر چکنے کے بعد حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ نے اپنے خادم کو اپنے ساتھ موٹر میں بٹھایا اور شہر میں لے آئے۔ جہاں انہوں نے دو رکعت نفل ادا کئے مدرسہ احمدیہ۔ جامعہ احمدیہ۔ مدرسہ تعلیم الاسلام مبلغین سلسلہ کی طرف سے پارٹیاں دی گئیں۔

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ نے بھی ایک دعوت قصر خلافت میں حضرت مولانا شیر علی صاحب اور مولوی ابوالعطاء صاحب کے اعزاز میں کی۔ جن کی تفصیل اخبار الفضل میں شائع ہو چکی ہے۔

مولوی صاحب موصوف کے کام کے متعلق اگلے نمبر میں انشاء اللہ مفصل تذکرہ شائع ہوگا۔

# ساقیا آمدن عید مبارک بادت

قادیان میں ۴ مارچ کو عید قربان ہوئی۔ عید کی نماز کے لئے ۹ بجے کا وقت مقرر تھا۔ صبح سات بجے ہی سے لوگ جوق در جوق عیدگاہ کی طرف جانے لگ گئے تھے۔ عید کے روز کا منظر قادیان میں بڑا ہی جاذب نظر ہوتا ہے۔ مختلف محلوں میں سے خدا تعالےٰ کی مخلوق نکل نکل کر آتی ہوئی بہت بھلی معلوم ہوتی ہے۔

عید کی اس تقریب پر اور گذشتہ عید پر بھی حفاظت کا انتظام نوجوانان کور کے سپرد تھا۔ کور کے جوان اپنے اپنے افسروں کی زیر نگرانی صبح ۷ بجے ہی وردیاں پہن کر اپنی ڈیوٹیوں پر پہنچ گئے تھے۔ مبلغین بھی باوردی ڈیوٹی دے رہے تھے سالار جیش لفٹیننٹ مرزا گل محمد صاحب۔ افسر جیش مولوی سید سید احمد صاحب مولوی فاضل نے اس انتظام کو نہایت حسن خوبی سے سرانجام دیا۔

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تشریف لانے کے بعد کچھ دیر تک احباب کا انتظار فرماتے رہے۔ اور جب اطلاع دی گئی۔ کہ احباب آ گئے ہیں۔ تو حضور نے ہزاروں خدام کے ساتھ نماز عید پڑھی۔ نماز کے بعد حضور ممبر پر تشریف لے گئے۔ اور خطبہ ارشاد فرمایا۔ اور خطبہ میں قربانی کی تاریخ کو بیان فرماتے ہوئے حضرت ابراہیم ابوالانبیاء اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ کی قربانی کا ذکر فرمایا۔ اور اس فلسفے کو ذہن نشین کرایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام